الحمدللمتوحد بجلاله المتفرد وصلوٰته دوماً علیٰ خیر الانام محمد

علیہم السلام

عقیدہ عصمت انبیاء

تحریر

محمد ضیاء الحق چوہان (ایم بی اے)

خطیب جامع مسجد بلال وارڈ نمبر 1 گوجر خان

شائع کردہ

جامعہ رحمانیہ غوثیہ رضویہ

جھنڈا میرا نزد مقبرہ سلطان محمد شہاب الدین غوری تحصیل سوہاوہ

بایماء: مرکزی جماعت اہلسنت تحصیل گوجر خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الصلوٰۃ السلام علیک یارسول اللہ ﷺ

انتساب

میں اپنی اس عاجزانہ کاوش کو اپنے والد گرامی مجاہد اہلسنت علامہ قاری محمد یٰسین چوہان رحمۃ اللہ علیہ کے نام کرتا ہوں جن کی مساعئ جمیلہ نے ہزاروں قلوب کو حب مصطفیٰ ﷺ کی متاع بے کراں بخشی اور جنکی تربیت کے فیضان سے میں دشمنان دین کی ہرزہ سرائیوں کا جواب دینے کے قابل ہوا۔

عصمت انبیاء علیہم السلام کا عقیدہ ایسا ہے کہ جس پر اہل اسلام کا ہمیشہ سے اتفاق رہا ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے قطعی منزہ و معصوم ہیں اور ان کی جناب میں گناہ کا عقیدہ رکھنا صریح گمراہی اور کفر ہے۔ عقیدۂ عصمت انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ سطور لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ حال ہی میں بریگیڈیر (ر) نذیر احمد نے "قرآنی اور غیر قرآنی اسلام " (QURANIC & NON-QURANIC ISLAM) نامی کتاب میں اس عقیدہ کی نفی کی اور اپنی کم علمی کے باعث امت میں ایک نیا فتنہ کھڑا کرنے کی جسارت کی۔ ایسے لوگوں کی نفسیات کا تجزیہ ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ یہ لوگ اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں اور احساس کمتری سے نجات کی خاطر اونچی اڑان اڑنے کا پروگرام بنا بیٹھتے ہیں تا کہ معاشرے میں شہرت اور امتیاز حاصل کر سکیں۔ کم علمی کی وجہ سے اونچی اڑان اڑتے پستیوں کی نذر ہو جاتے ہیں اور دنیا کے ساتھ ساتھ عاقبت بھی برباد کر بیٹھتے ہیں۔ کیا کسی وکیل کو یہ اجازت دی جا سکتی ہے کہ وہ مریضوں کے آپریشن شروع کر دے؟ اور کیا کسی انجینئر کو اجازت دی جا سکتی ہے کہ وہ عدالت میں وکالت کرنے کے لئے چلا جائے؟ اگر نہیں اور ہر گز نہیں تو پھر اسی اصول کے مطابق ہر ایرے غیرے کو امور شرعیہ پر رائے زنی کا حق کیسے دیا جا سکتا ہے؟ جس طرح مریض کا آپریشن کرنا ڈاکٹر کا کام ہے، وکالت کا اہل وکیل ہے، بعینہٖ شریعت کے مسائل اور دین کے معاملات پر بحث و تمحیص کرنا صرف اور صرف ان لوگوں کا کام ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں دین کی خدمت کے لئے وقف کر رکھی ہوں اور جنہوں نے دین پڑھا ہو اور سمجھا ہو۔ جب کوئی ایسا شخص معاملات شرعیہ پر فتوے دینے لگے جس نے دین کی روح کو سمجھا نہ ہو اور دین کی با قاعدہ تعلیم حاصل نہ کی ہو تو نتیجہ "قرآنک اینڈ نان قرآنک اسلام" جیسی کتب کی صورت ہی میں نکلے گا۔ عقیدۂ عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا فلسفہ سمجھنے سے قبل ضروری ہے کہ نبی اور رسول کی پہچان کر لی جائے اور ان خصوصیات سے آگاہی حاصل کر لی جائے جو کسی بھی ہادی اور رہبر کی شخصیت کا جزو لاینفک ہے۔ نیز لفظ "عصمت" کا مفہوم جاننا بھی ضروری ہے۔

مفتی اعظم ہند شیخ الاسلام شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ "انسانوں کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو تین طرح کے انسان ملتے ہیں۔ ایک وہ جو گناہ کی راہ اختیار کرتے ہیں اور ان کو اس غلطی کا احساس تک نہیں ہوتا۔ دوسرے وہ جو گناہ کرتے ہیں لیکن احساسِ گناہ کی وجہ سے ان کا نفس ملامت کرتا ہے اور ندامت اور شرمساری محسوس کرتے ہیں۔ تیسرے وہ جو نیکی کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے دل میں بدی کا خطرہ تک نہیں گزرتا۔ نوع انسانی کے لیے اگر کوئی ہادی اور رہبر بن سکتا ہے۔ تو وہ یہی تیسری قسم کا انسان ہے جس کو انسان کامل کہا جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں حضور ﷺ کے لیے ارشاد ہے۔ "(اے مسلمانو! تمہارے آقا ﷺ نہ گمراہ ہوئے اور نہ بھٹکے اور وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتے بلکہ وہی کہتے ہیں جو وحی کی جاتی ہے۔" (النجم۔ 2 تا 4) اس آیت کریمہ کی روشنی میں ہادئ برحق اور رسول کے لیے یہ اصول مرتب کیے جا سکتے ہیں۔ 1: وہ گمراہ نہ ہو کہ جو خود گمراہ ہے وہ دوسروں کو راہ راست پر کیسے لا سکتا ہے۔ 2: وہ راستہ سے بھٹکا ہوا بھی نہ ہو کہ جو خود بھٹک جائے وہ دوسروں کو منزل پر نہیں پہنچا سکتا۔ 3: وہ جو کچھ کہتا ہو خواہشِ نفس سے نہ کہتا ہو بلکہ جذبات اس کے تابع ہوں وحی الٰہی سے مستفیض ہو اور وہ کچھ بتاتا ہو جو انسانی عقل نہیں بتا سکتی۔" (مظہر العقائد۔ 43)

بات واضح ہو گئی کہ نبی اور رسول تو ہوتا ہی وہ ہے جو نیکی کا مجسمہ ہو، اس کے دل میں بدی کا شائبہ تک نہ ہو، وہ گمراہ نہ ہو، راستہ سے بھٹکا ہوا نہ ہو۔ اس کا ہر عمل رضاءِ الٰہی کے تابع ہو، اس کی زبان سے نکلنے والا لفظ لفظ وحی الٰہی ہو۔

اب لفظ "عصمت" کے مفاہیم سمجھنے کے لیے امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ "عصمت انبیاء کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا اپنے نبیوں کو (ہر قسم کی برائی سے) محفوظ رکھنا اور اس جوہرِ صفاء کی وجہ سے جو انہی کے ساتھ خاص ہے پھر ان کے فضائلِ جسمیہ ونفسیہ کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے۔ پھر اپنی نصرتِ خاص اور انہیں ثابت قدم رکھنے کے ساتھ پھر ان پر سکون وطمانیت نازل فرما کر ان کے قلوب کو کج روی سے بچا کر اور اپنی توفیق ان میں شامل حال فرما کر" (مفردات امام راغب اصفہانی)

نبوت وعصمت کے تصورات سمجھ لینے کے بعد اب عصمت انبیاء علیہم السلام کے دلائل کی طرف آتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر چہ بگندد نمکش میزنند　　　　وای بروزی کہ بگند دنمک

یعنی "ہر خراب ہونے والی چیز کو نمک لگایا جاتا ہے۔ افسوس اس دن پر جب نمک خراب ہو جائے" یعنی جس چیز کے ذریعے خراب چیزوں کا علاج کیا جاتا ہے اگر وہی چیز خراب ہو جائے تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے۔ قارئین کرام! انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد نوع انسانی کی ہدایت ورہنمائی ہے۔ اگر انبیاء کرام علیہم السلام خود راہِ ہدایت سے ہٹ جائیں اور ان کا دامن گناہوں سے آلودہ مانا جائے تو پھر نوع انسانی کی ہدایت کون کرے گا۔ یہ عام فہم مثال ظاہر کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا دامن ہر قسم کی خطاؤں، لغزشوں اور آلودگیوں سے پاک ہونا چاہیے۔

ارشاد ربانی ہے "اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔" (النساء 64) اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو مطاع بنا کر بھیجا گیا ہے۔ یعنی ان کی ذات اس لائق ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ شریعت نے انبیاء کرام علیہم السلام کی اطاعت کے لیے کسی وقت کا تعین نہیں کیا نہ ہی کوئی شرط عائد کی کہ فلاں فلاں اوقات میں انبیاء کی اطاعت کی جائے اور فلاں وقت پر وہ قابل اطاعت نہیں رہتے۔ بلکہ قرآن وحدیث کا مطالعہ ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ نبی ہر وقت مطاع ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نبی سے گناہوں، خطاؤں اور لغزشوں کا صدور درست تسلیم کیا جائے تو گناہ وخطا کی اطاعت بھی لازم آئے گی۔ جس سے سارے کا سارا نظامِ ہدایت چوپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا مطاع ہونا ہی ان کی عصمت کی دلیل ہے۔

اطاعت انبیاء علیہم السلام کے برعکس اگر اطاعت والدین کے مسئلے کو سامنے رکھیں تو عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ مزید نکھر کر سامنے آتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ "اور اگر وہ دونوں (والد اور والدہ) تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان" (لقمان 15) شریعت نے والدین کی اطاعت کو مشروط کر کے اور اطاعتِ انبیاء علیہم السلام کو غیر مشروط رکھ کر مسئلہ واضح کر دیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا دامن ہر طرح کی آلودگیوں سے پاک ہے۔

مقالات کاظمی حصہ سوم میں غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اور شرح صحیح مسلم جلد سابع میں شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ نے عقیدہ عصمت انبیاء کرام علیہم السلام کو بڑے زبردست دلائل سے ثابت کیا ہے۔ آیئے چند ایک دلائل سے مستفید ہوتے ہیں۔

پہلی دلیل ازروئے قرآن واجماع انبیاء کرام علیہم السلام کی اتباع فرض ہے اور گناہ حرام ہے۔ اگر کسی نبی سے گناہ صادر ہو تو اس کی اتباع حرام ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں وہ گناہ بھی کرنا پڑے گا جو نبی نے کیا۔ ورنہ اس کی اتباع نہ ہو سکے گی۔ اور گناہ حرام ہونے کی وجہ سے نبی کی اتباع بھی حرام ہو گی اور نبی کی اتباع کا حرام ہونا قطعاً باطل ہے۔ لہٰذا نبی سے گناہ کا صادر ہونا بھی باطل ہوگا۔

دوسری دلیل اجماع اور قرآن کی رو سے گناہگار کی شہادت مردود ہے۔ اگر انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں تو معاذ اللہ وہ مردود الشہادہ قرار پائیں گے اور یہ قطعاً محال ہے۔ لہٰذا ان سے گناہ کا ہونا بھی محال ہے۔

تیسری دلیل امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے۔اگر انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں تو انہیں گناہ سے باز رکھنے کے لیے زجر (روک ٹوک، تنبیہہ) کرنا پڑے گا جو ایذا ہے۔اور انبیاء کرام علیہم السلام کو ایذا دینا قطعاً حرام ہے لہذا ان سے گناہ کا صدور ممکن نہیں۔

چوتھی دلیل اگر انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں تو وہ اپنی امت کے گناہگاروں سے بھی زیادہ بدحال اور گئے گزرے ہوں گے۔ کیونکہ بزرگی اور کرامت میں جس قدر زیادہ مرتبہ بلند ہوگا گناہ کرنے پر اسی قدر زیادہ عذاب کا استحقاق ہوتا ہے۔نبوت سے بلند کوئی مرتبہ نہیں۔اس لئے نبی کے گناہ کا عذاب تمام گناہگاروں کے عذاب سے زیادہ ہوگا اور یہ ایسی زبوں حالی ہے جو نبی کے حق میں متصور نہیں لہذا گناہ کا صدور بھی کسی نبی سے نہیں ہوسکتا۔

پانچویں دلیل گناہ اپنے نفس پر ظلم ہے اور ظالم اللہ کے عہد کو نہیں پا سکتا۔قرآن مجید میں ہے۔"(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔"(البقرہ 124) نبوت سب سے بڑا عہد ہے جو کسی ظالم کو نہیں مل سکتا۔انبیاء کرام علیہم السلام نے جب عہدِ نبوت کو پالیا تو ثابت ہوگیا کہ وہ گناہوں سے معصوم ہیں۔

چھٹی دلیل انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے عباد مخلصین (چنے ہوئے بندے) ہیں۔جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے۔"بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے ہے"(یوسف 24) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا"اور کتاب میں موسیٰ کو یاد کرو بے شک وہ چنا ہوا تھا اور رسول تھا غیب کی خبریں بتانے والا۔"(مریم 51) اور حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔"اور بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے پسندیدہ ہیں۔"(ص 47) **المخلصین** ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت کے لیے خاص کر لیتا ہے اور انہیں ہر اس چیز سے معصوم کر دیتا ہے جو اطاعت خداوندی کے خلاف ہے۔اس لیے مخلصین سے گناہ کا صدور نہیں ہوسکتا۔ اسی بنا پر شیطان نے کہا تھا۔"تیری عزت کی قسم میں ضرور گمراہ کر دوں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جو تیرے چنے ہوئے ہیں۔"(ص 82-83)

ساتویں دلیل ارشاد ربانی ہے۔"اور بے شک سچ کر دکھایا شیطان نے ان پر اپنا گمان۔سو وہ اس کی تابعداری کرنے لگے۔سوائے مومنوں کے ایک گروہ کے"۔(سبا 20) اس آیت میں اہل سبا کی طرف اشارہ ہے کہ وہ شیطان کی اتباع کرنے لگے سوائے مومنوں کے ایک گروہ کے۔اگر مومنوں کے اس گروہ سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں۔تو شیطان کی اتباع سے محفوظیت ہی ان کی عصمت کی دلیل ہے۔اور اگر مومنوں کے گروہ سے مراد امت کے مومنین ہیں تو جس کی امت اتباع شیطان سے محفوظ ہو وہ نبی کیونکر شیطان کی اتباع کرسکتا ہے۔یاد رہے کہ شیطان کی اتباع ہی گناہ ہے تو شیطان کی اتباع سے بچنا ہی معصوم عن الخطاء ہونا ہے۔

آٹھویں دلیل اللہ تعالیٰ نے مکلفین کو دو گروہوں میں تقسیم فرمایا یعنی حزب اللہ اور حزب الشیطان۔اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور مانا جائے تو کم از کم صدور معصیت کے وقت تو معاذ اللہ وہ ضرور ہی حزب الشیطان قرار پائیں گے۔کیونکہ مطیع حزب اللہ ہیں اور عاصی حزب الشیطان اور حزب الشیطان خاسرین (نقصان اٹھانے والے) ہیں۔ارشاد ربانی ہے۔"خوب سن لو شیطان کا ٹولہ ہی یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے"(مجادلہ۔۱۹) ایسی صورت میں العیاذ باللہ انبیاء علیہم السلام کو (خواہ ایک آن ہی کے لئے ہو) خاسرین کہنا پڑے گا۔جو بداہتہً باطل ہے۔ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صدور ممکن نہیں

نویں دلیل انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ "بیشک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے تھے۔"(الانبیاء 90) الخیرات جمع معرف باللام ہے اور ایسی جمع عموم کے لیے ہوتی ہے۔لہٰذا وہ فعل اور ترک، دونوں سے متعلق نیکیوں کو شامل ہوگی۔فعل سے مراد وہ نیکیاں ہیں جو عمل اور قول سے حاصل ہوتی ہیں۔جیسے نماز وروزہ، حج وزکوۃ وغیرہ اور ترک سے وہ نیکیاں مراد ہیں جو کسی کام کو نہ کرنے

سے حاصل ہوتی ہیں۔ جیسے جھوٹ، چغلی، غیبت اور چوری وغیرہ نہ کرنا۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح عبادات فعلیہ کا عمل میں لانا نیکی ہے اسی طرح گناہ کے کاموں کا نہ کرنا بھی نیکی ہے۔ اور الخیرات کا لفظ سب کو شامل ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام گناہ نہ کرنے میں بھی مسارعت کی صفت سے متصف ہیں۔

غزالی زمان حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی کے قائم کردہ دلائل سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ انبیاء علیہم السلام معصوم عن الخطاء ہیں اور ان کی طرف گناہوں، خطاؤں اور لغزشوں کی نسبت کرنا صریح کفر ہے۔

آیئے چند مزید دلائل دیکھتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام پر جب ان کی قوم نے گمراہی کا الزام عائد کیا تو انہوں نے جو جواب دیا قرآن مجید نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ " کہا اے میری قوم مجھ پر گمراہی کچھ نہیں۔ میں تو رب العالمین کا رسول ہوں " (الاعراف 61) اس سے معلوم ہوا کہ نبوت اور گمراہی جمع نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام نے گمراہی کے الزام کی تردید کی اور دلیل یہ پیش کی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول گمراہ نہیں ہوا کرتے اور رسالت اور عصمت لازم و ملزوم ہیں۔ متذکرہ بالا آیت مقدسہ کی تفسیر میں حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ "جب دنیاوی بادشاہ نا اہل، بے علم، نا سمجھ کو اپنا وزیر یا حاکم نہیں بناتے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ رب العالمین کم عقل یا گمراہ یا کم علم کو نبوت جیسا عہدہ عطا فرمادے۔ اس میں رب کی توہین ہے کہ اس کا انتخاب غلط ہو"۔ (تفسیر نور العرفان 251)

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔ "اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں میں تو جہاں تک بنے سنوارنا ہی چاہتا ہوں اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ میں نے اس پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔" (ھود 88) انبیاء علیہم السلام اپنی قوم کو ہمیشہ گناہوں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور شعیب علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ میں تمہیں گناہوں سے روکتا ہوں تو خود کیسے گناہ کر سکتا ہوں۔ بلکہ میں تو اس کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔

اس آیت کے ذیل میں مفتی احمد یار خان نعیمیؒ لکھتے ہیں "جب انبیاء علیہم السلام ارادۂ گناہ سے محفوظ ہیں تو گناہ کیا معنی ؟" (تفسیر نور العرفان 368)

سورۃ فتح میں ارشاد ربانی ہے۔ " تا کہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔" (الفتح 9)

قارئین کرام! یہ بڑا لطیف نکتہ ہے کہ قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر کا حکم دے رہا ہے اور نام نہاد محققین مسلمان ہونے کے باوجود ان کے عیبوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ کیا یہی تعظیم ہے اور یہی توقیر ہے کہ ان کے دامنِ عصمت کو داغدار بنانے کے لیے کتابیں تصنیف کی جائیں۔

اب رہا یہ سوال کہ انبیاء علیہم السلام نے جب کوئی گناہ نہ کیا تو پھر توبہ استغفار اور اعتراف ظلم چہ معنی دارد؟ قارئین کرام! ان کا ایسا کرنا در حقیقت اپنے خالق و مالک کے سامنے عاجزی کا اظہار ہے ان کی رفعت و عظمت اور فضل و کمال کا مظہر ہے۔ نیز تعلیم امت کا ایک انداز ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رکھیے کہ قرآن مجید میں بیان کردہ واقعات میں سے کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جو منصب نبوت اور عصمت انبیاء علیہم السلام کے منافی ہو بلکہ ان واقعات میں اللہ کی حکمتوں کا ظہور اور ان کی تکمیل کا راز مضمر ہے۔ ضرورت فقط اس امر کی ہے کہ ان واقعات کو سیاق و سباق کے تناظر میں دیکھا جائے اور بنیادی عقائد کو ذہن میں رکھا جائے۔

یہاں ایک اور اہم نقطہ بھی سامنے آتا ہے کہ کیا توبہ استغفار صرف وہی کرتا ہے یا کر سکتا ہے جس کا دامن گناہوں سے آلودہ ہو؟ غنیۃ الطالبین میں ہے۔ "حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

توبہ کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم توبہ گناہ سے باز رہنا۔ دوسری قسم (انابت) اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا۔ اور تیسری قسم (اوبت) اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔ پس

توبہ ابتدا ہے۔ انابت درمیانہ درجہ ہے اور اوبت انتہا ہے۔ گویا کہ جو شخص عذاب کے ڈر سے توبہ کرے وہ صاحب توبہ کہلاتا ہے۔ جو ثواب کے حصول یا عذاب سے بچنے کیلیے توبہ کرے وہ صاحب انابت ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل پیرا ہونے کے لیے توبہ کرے نہ ثواب کا حصول مقصود ہو نہ عذاب سے بچنا مقصود ہو وہ صاحب اوبت ہے۔ کہا گیا ہے کہ توبہ مومنوں کی صفت، انابت مقرب اولیائے کرام کی صفت اور اوبت انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی صفت ہے ۔(غنیۃ الطالبین 373)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب (ص 443) میں لکھتے ہیں کہ حضرت ذالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ توبہ دو طرح کی ہوتی ہے۔ توبہ انابت اور توبہ استحیاء۔ توبہ انابت یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کی سزا کے خوف سے توبہ کرے۔ اور توبہ استحیاء یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کے کرم سے شرم کرتے ہوئے توبہ کرے۔

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ ہر توبہ کرنے والا گناہ گار نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی کے توبہ کرنے کو اس کے گناہ گار ہونے کی دلیل بنایا جا سکتا ہے۔

حضرت ابو علی وقاق کی بیان کردہ اقسام توبہ کے مطابق انبیاء علیہم السلام کی توبہ اوبت ہے۔ جب کہ حضرت ذالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ اقسام کے مطابق انبیاء علیہم السلام کی توبہ استحیاء ہے۔ جو ان کے علو مرتبت کی مظہر ہے۔

برصغیر پاک وہند میں عقیدہ عصمت انبیاء علیہم السلام کو داغدار کرنے میں قرآن مجید کے بعض اردو تراجم کا بھی ہاتھ ہے۔ کسی بھی زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا ایک انتہائی مشکل کام ہے۔ اور پھر عربی زبان تو نہایت ہی بلیغ زبان ہے۔ جسے سائنٹیفک زبان کہا جاتا ہے۔ عربی زبان کا ایک ایک لفظ اپنے دامن میں معارف ومعانی کا سمندر سمیٹے ہوئے ہے۔ ترجمہ کرتے وقت موقع محل کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ کسی بھی لفظ کا ایک ہی معنی ہر موقع ومحل کیلیے موزوں نہیں ہوا کرتا۔ جن آیات کے غیر محتاط تراجم سے عوام الناس میں عقیدہ عصمت انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ابہام پیدا ہوا ان میں سے بغرض انحصار صرف ایک مثال پیش کرنا چاہتا ہوں۔ سورۃ الفتح آیت نمبر ۱ اور نمبر ۲ کے تراجم ملاحظہ کیجیے۔

۱: بے شک ہم نے آپ ﷺ کو کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے۔ (عبدالماجد دریابادی)

۲: بیشک ہم نے آپ ﷺ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے۔ (اشرف علی تھانوی)

۳: (اے نبی ﷺ) ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی تا کہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی ہر کوتاہی سے درگزر فرمائے۔ (ابوالاعلیٰ مودودی)

۴: (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو فتح دی، فتح بھی صریح وصاف تا کہ اللہ تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔ (ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ)

۵: بے شک (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے۔ تا کہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ (محمد جونا گڑھی) ﴿یہ ترجمہ سعودی حکومت کی طرف سے حجاج کرام کو دیا جاتا ہے۔﴾

یہ سب تراجم ظاہر کرتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور ﷺ سے صلح حدیبیہ سے قبل بھی گناہ سرزد ہوتے رہے اور بعد میں بھی امکان ہے۔ ایسے تراجم کا مطالعہ کرنے والے "قرآنک اینڈ نان قرآنک اسلام" جیسی کتب نہیں لکھیں گے تو اور کیا کریں گے۔ ترجمہ کرتے وقت صرف علم ہی کافی نہیں بلکہ محبت الٰہی اور عشق رسول ﷺ کی دولت سے مالا مال ہونا بھی ضروری ہے۔

عشق ہی ابتدائے ذات، عشق ہی انتہائے ذات
عشق نہ ہو تو شرح ودیں بتکدۂ تصورات

اب اسی آیہ کا وہ ترجمہ دیکھتے ہیں جو شان رسالت ﷺ کے عین مطابق ہے۔ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرما دی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے۔" (کنز الایمان

نی ترجمۃ القرآن)

بلاشبہ یہ ترجمہ روح قرآنی کے عین مطابق ہے اور سینکڑوں مستند تراجم وتفاسیر کا نچوڑ ہے اگر قرآن مجید نے گناہوں کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کرنی ہوتی تو **لیغفرلک اللہ** کی بجائے **لیغفر ک اللہ** کے الفاظ آتے۔ **لک** کا لام ظاہر کر رہا ہے کہ بات حضور ﷺ کے گناہ (نعوذ باللہ) کی نہیں بلکہ حضور ﷺ کے سبب سے کسی اور کے گناہ بخشے جانے کی بات ہو رہی ہے۔

۱۹ دسمبر کے ملی ایڈیشن (نوائے وقت) میں سکواڈرن لیڈر (ر) ایم جان صاحب کا مضمون "انبیاء معصوم عن الخطاء ہیں" شائع ہوا جس پر وہ لائق مبارک باد ہیں کہ انہوں نے بریگیڈیر نذیر احمد کے غلط نظریات کو بے نقاب کیا لیکن ساتھ ہی اپنی تحریر میں بھی ایک غلطی کر بیٹھے۔ لکھتے ہیں " آدم علیہ السلام جنت میں نبوت کے مقام پر فائز نہ تھے۔ قرآن خود بتاتا ہے کہ وہ **فی الارض خلیفہ** تھے۔ انہیں نبوت اور خلافت الٰہیہ کا منصب زمین پر پہنچنے کے بعد عطا ہوا تھا۔" اگر ایم جان صاحب لفظ نبی پر غور کر لیتے تو یہ جملے لکھنے کی نوبت نہ آتی۔ گرائمر کے اعتبار سے لفظ نبی فعیل کے وزن پر صفت مشبہ ہے اور عربی زبان وادب کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی اس حقیقت سے آشنا ہوتا ہے کہ صفت مشبہ سے مراد وہ اسم مشتق ہے جو اس ذات پر دلالت کرتا ہے جس میں صفت دائمی ہوتی ہے۔ لہٰذا نبوت دائمی اور پائیدار صفت ہے۔ نبی ہر وقت نبی ہوتا ہے اور نور نبوت اس سے کسی بھی حال میں سلب نہیں کیا جاتا۔ نبوت ایسی صفت نہیں کہ جو کسی وقت ہو اور کسی وقت نہ ہو۔ آیئے اس سلسلہ میں قرآن مجید اور حدیث نبوی ﷺ سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے "اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں۔ پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔"
(العمران 81) اس آیت مبارکہ میں اس حلف کا ذکر ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام نے روز ازل اٹھایا تھا۔ اور آیت کے الفاظ میں لفظ **نبیین** واضح کرتا ہے کہ انہیں نبوت عطا کر دی گئی تھی۔ وہ اُس وقت بھی نبی تھے

دنیا کا دستور یہی ہے کہ جب کسی سے حلف لیا جاتا ہے تو وہ حلف اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ اسے اس منصب پر فائز کر دیا گیا ہے لیکن اس شخص کے اختیارات کا ظہور تب ہوتا ہے جب وہ اس منصب کی ذمہ داریاں عملاً نبھانا شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ روز ازل اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے حلف لے کر ان کو نبوت اور رسالت عطا کر دی تھی۔ بعثت سے قبل انبیاء کرام علیہم السلام میں صفت نبوت بالقوہ موجود ہوتی ہے۔ اور جب بعثت کے بعد وہ اپنی ذمہ داریاں عملی طور پر نبھانا شروع کرتے ہیں تو صفت نبوت ان کو بالفعل عطا ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی یہ بات بالکل غلط ہے۔ چالیس سال کی عمر میں تو آپ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تھا۔ ترمذی شریف کی روایت ہے۔ "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کیلیے نبوت کب ثابت ہوئی؟ فرمایا جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔" (مشکوۃ شریف باب فضائل سید المرسلین ﷺ)

ثابت ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی ولادت سے قبل بھی صفت نبوت سے متصف ہوتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ آپ پنگھوڑے میں تھے اور اس شیر خوارگی کی عمر میں اپنی قوم سے فرمایا۔ "میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔" (مریم 30)

(زیر نظر تحریر روزنامہ نوائے وقت میں 6 اور 13 فروری 1998ء کو دو اقساط میں شائع ہوئی)

تاریخ اسلام کے عظیم سپہ سالار مجاہدِ اسلام سلطان معظم

محمد شہاب الدین غوری رحمۃ اللہ علیہ

کے مزار کے پہلو میں اہل سنت و جماعت کی **معیاری درسگاہ**

جو

علوم قرآنی کی تعلیم وترویج کے لیے ہمہ وقت مصروفِ کار ہے

جامعہ رحمانیہ غوثیہ رضویہ

جھنڈا میرا نزد مقبرہ سلطان محمد شہاب الدین غوری تحصیل سوہاوہ

مہتمم وناظمِ اعلیٰ قاری گلفراز حسین چشتی

داخلہ

حفظ وناظرہ اور تجوید وقرائت کے شعبہ جات میں داخلہ ہر سال یکم تا 20 اپریل ہوتا ہے۔

خواہش مند حضرات اپنے بچوں کو قرآنی علوم سے آراستہ کرنے کے لیے رابطہ فرمائیں